© rasailojaraid.com

مِلاکُ التأوِیل (۱۱)

تالیف: ابوجعفر احمد بن ابراہیم بن الزبیر الغرناطی
تلخیص و ترجمانی: ڈاکٹر صہیب بن عبد الغفار حسن

سُورۃُ النِّساء

(۶۵) آیت ۲۲ :

﴿وَلَا تَنۡکِحُوۡا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّمَقۡتًا ؕ وَسَآءَ سَبِیۡلًا ﴿۲۲﴾﴾

''اوران عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا تھا اِلّا ایسے (نکاح) جو پہلے ہو چکے ہیں۔ بے شک یہ بدکاری ہے' بغض کا سبب ہے' اور برا راستہ ہے۔''

اور سورۃ الاسراء کی آیت ۳۲ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ؕ وَسَآءَ سَبِیۡلًا ﴿۳۲﴾﴾

''اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ' بے شک یہ بدکاری ہے اور بُرا راستہ ہے۔''

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ النساء میں ''مَقۡتًا'' کا اضافہ ہے جو کہ سورۃ الاسراء کی آیت میں نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''مقت'' نقص اور حقیر جاننے کو کہتے ہیں۔ جو شخص اپنے باپ کی منکوحہ سے شادی کرتا ہے وہ انتہائی رذیل کام کا مرتکب ہوتا ہے کہ جس کی بنا پر ایسے شخص کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے' اسے برا سمجھا جاتا ہے' طبع سلیم ایسے کام سے اباء کرتی ہے اور اس لحاظ سے گویہ زنا کاری ہے لیکن اس سے بڑھ کر قبیح کام ہے۔ اس لیے سورۃ النساء کی آیت میں ''مقت'' کا اضافہ کیا گیا۔

(۶۶) آیت ۲۵ :

﴿مُحۡصَنٰتٍ غَیۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ۚ﴾

''(ایسی لونڈیوں سے) جو پاکباز ہوں' زنا کاری نہ کرتی ہوں اور نہ ہی دوست بنا کے رکھتی ہوں۔''

اور سورۃ المائدۃ کی آیت ۵ میں ارشاد فرمایا:

﴿مُحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ وَلَا مُتَّخِذِیۡۤ اَخۡدَانٍ ؕ﴾

''(اور یہ مرد) پاک باز ہوں' زنا کاری نہ کرتے ہوں اور نہ ہی داشتائیں بنا کر رکھتے ہوں۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں کوئی خاص اشکال نہیں ہے‘ کیونکہ پہلی آیت کا تعلق ایسی لونڈیوں سے ہے جن سے اس وقت شادی کی جاسکتی ہے جب کہ ایک مردآزاد مسلمان عورت سے شادی کرنے پر قادر نہ ہو اور دوسری آیت میں مردوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ وہ اہلِ ایمان یا اہلِ کتاب کی عورتوں سے شادی کرسکتے ہیں لیکن انہیں خود بھی پاکبازی کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

(۶۷) **آیت ۴۱:**

﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾﴾

’’اور پھر (دیکھنا) کیسے جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کو اٹھائیں گے تو تمہیں ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے۔‘‘

اور سورۃ النحل کی آیت ۸۹ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ﴾

’’اور ہم تمہیں گواہ بنا کر لائیں گے ان لوگوں پر۔‘‘

سوال یہ ہے کہ دونوں آیات کا مضمون ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ رسولوں کو ان کی اُمتوں پر گواہ بنا کر اور ہمارے نبی ﷺ کو ان کی امت پر گواہ بنا کر لایا جائے گا تو پھر لفظ ’’شَهِيْد‘‘ کی تقدیم (دوسری آیت میں) اور تاخیر (پہلی آیت میں) کیوں ہے؟

اور اس کا جواب — واللہ اعلم — یہ ہے کہ سورۃ النحل کی آیت میں ماقبل الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾

’’اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ انہی میں سے اٹھائیں گے ان پر گواہی دینے کے لیے۔‘‘

تو یہاں گواہ کا ذکر مشہود علیہ (یعنی امت) سے پہلے لایا گیا تھا اور اسی تناظر میں پھر کہا گیا:

﴿وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ﴾

اور اس لحاظ سے شہید (گواہ ہونے) کا ذکر پہلے لایا گیا اور مشہود علیہ (هٰٓؤُلَآءِ) کا بعد میں‘ تاکہ آیت کے پہلے حصے کے ساتھ مناسبت باقی رہے۔

اور سورۃ النساء کی آیت میں مشہود علیہم کا ذکر نہ صراحتاً آیا تھا اور نہ ہی اسم ضمیر یا اسم اشارہ سے اس کی طرف توجہ دلائی گئی تھی‘ بلکہ ’’عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ‘‘ سے جو لوگ مراد ہوسکتے ہیں ان کا ذکر پہلے ہی کیا جاچکا تھا۔ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ﴾ (آیت ۳۸)

’’اور جو لوگ دوسروں کو دکھانے کے لیے اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہیں۔‘‘

یہاں منافقین کی صفات بیان کی گئی ہیں اور اس لحاظ سے یہ مناسب تھا کہ لفظ ’’شَهِيْد‘‘ سے پہلے ’’عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ‘‘ کہہ کر ان کی طرف اشارہ کردیا جاتا۔ اور پھر مفہوم یہ بنتا ہے کہ گویا ان لوگوں کے علاوہ کوئی اور مراد نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور یہ کہ آپ ﷺ ان کے علاوہ کسی پر گواہ نہ ہوں گے۔ یہ اسلوب وہی ہے جو شاعر نے اپنے اس شعر میں ادا کیا ہے: ع

لَتَقْرَبُنَّ قَرَبًا جَلْذِيًّا مَا دَامَ فِيهِنَّ فَصِيلٌ حَيًّا

(اس شعر کی وضاحت نمبر ۳۲ (قسط نمبر ۵) کے تحت گزر چکی ہے۔)

دیکھئے سورۃ الاخلاص میں بھی ضمیر پہلے لائے ہیں اور ''کُفُوًا'' بعد میں۔ فرمایا:

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ ''اور اس کے لیے کوئی ہمسر نہیں ہے۔''

سورۃ النحل کی آیت میں سورۃ النساء کی مانند پہلے کسی خاص گروہ کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ نبی اکرم ﷺ کی عمومی گواہی کا تذکرہ ہے جو سب پر ہوگی' چاہے وہ نیک ہوں یا بد' یعنی وہ تمام لوگ جن کی طرف نبی اکرم ﷺ کی بعثت کی گئی۔

ایک دوسری بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سورۃ النساء کی آیات کے فواصل (یعنی آیت کا آخری لفظ) منصوب چلے آرہے ہیں۔ (جیسے قَرِيْنًا' عَلِيْمًا' عَظِيْمًا) اور اس لحاظ سے ''شَهِيْدًا'' بھی انہی فواصل کے مطابق آخر میں آیا ہے۔ اس کے بالمقابل سورۃ النحل کے فواصل ''تَشْكُرُوْنَ' يُؤْمِنُوْنَ' مُسْلِمِيْنَ'' کے وزن پر آرہے ہیں اور اس اعتبار سے ''شَهِيْدًا'' کا بیچ آیت میں آنا ہی مناسب تھا۔

(۶۸) آیت ۴۳:

﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾

''تو پھر اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرلو' بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور مغفرت کرنے والا ہے۔''

اور سورۃ المائدۃ کی آیت ۶ میں ارشاد فرمایا:

﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

''اور پھر (مٹی) سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں کسی مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا لیکن یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر ڈالے تاکہ تم شکر گزار بن سکو۔''

یہاں تین سوالات اُبھرتے ہیں:

(۱) سورۃ المائدۃ میں ''مِنْهُ'' کا اضافہ ہے؟

(۲) دونوں آیات کا آخری حصہ مختلف ہے؟

(۳) سورۃ المائدۃ کی آیت میں بہ نسبت سورۃ النساء کے طوالت پائی جاتی ہے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ سورۃ المائدۃ نزولی ترتیب اور مصحف میں سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے بھی سورۃ النساء کے بعد میں آئی ہے' اور اس میں ''مِنْهُ'' یعنی ''مٹی سے'' کا اضافہ سورۃ النساء کی آیت کے اجمال کا بیان ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی ایسی چیز ہی کا بیان مطلوب ہوتا ہے جو پہلے ذکر کی گئی ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت شراب کے حرام ہونے سے قبل نازل ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو کہ آیت تیمّم سے پہلے یہ آیت آئی ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (آیت ۴۳)

''اے ایمان والو! تم نماز کے قریب نہ جاؤ جب کہ تم نشہ میں ہوتا کہ تم جان سکو کہ تم کیا پڑھ رہے ہو۔''

یہ بات واضح ہے کہ اس وقت تک شراب حرام نہ ہوئی تھی' اس لیے بتایا جارہا ہے کہ اگر نشہ طاری ہو تو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ' گویا اس صورت میں اوّل وقت سے نماز کی ادائیگی میں تاخیر ہوسکتی تھی اور پھر ثواب میں کمی بھی واقع ہوسکتی تھی اور اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ نماز اپنے آخری وقت میں یا وقت کے ختم ہونے کے بعد ادا ہو جو کہ گناہ کا باعث بھی ہوسکتی تھی' اور اس لیے یہ مناسب ہوا کہ آیت تیمّم کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے عفو اور غفور ہونے کا تذکرہ ہو جائے۔ اور جہاں تک سورۃ المائدۃ کی آیت کا تعلق ہے تو وہاں آیت تیمّم سے قبل اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ذبیحہ کے حلال ہونے کا ذکر ہے' فرمایا:

﴿اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۪ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (آیت ۵)

''آج تمہارے لیے تمام طیّب چیزیں حلال کی گئیں' اور ایسے ہی ان لوگوں کا کھانا (یعنی ذبیحہ) جنہیں کتاب دی گئی تھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے' اور ایسے ہی (حلال ہیں) مؤمن پاک باز عورتیں اور وہ پاک باز عورتیں جو تم سے قبل اہل کتاب میں سے ہیں۔''

اور پھر ان چیزوں کا بھی ذہن میں خیال رہے جیسے چربی وغیرہ جو اُن پر حرام کی گئی تھیں اور وہ سختیاں جو اُن پر عائد کی گئی تھیں' جو کہ سب اس امت سے اٹھالی گئی تھیں' اور اس اعتبار سے مناسب ہوا کہ آیت کے آخری حصہ میں اس امت کی تطہیر اور اتمامِ نعمت اور ضرورتِ شکر کا بیان ہو جائے اور یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہر دو آیات کا آخری حصہ اپنے مضمون کے اعتبار سے بالکل مناسب جگہ پر آیا ہے۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ سورۃ المائدۃ کے مضمون میں اطناب (تفصیل) ہے جبکہ سورۃ النساء کی آیت میں ایجاز (اختصار) ہے۔

سورۃ النساء کی آیت کے شروع ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ سے لے کر ﴿وَاَیْدِیْكُمْ﴾ تک کے کلمات گن لیجیے اور پھر سورۃ المائدۃ کی آیت کے آغاز سے لے کر ﴿وَاَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ﴾ تک کے کلمات اور حروف گن لیجیے تو معلوم ہوگا کہ سورۃ المائدۃ کی آیت میں سورۃ النساء کی آیت کے مقابلے میں تیس سے زائد حرف ہیں' اور اس لحاظ سے سورۃ النساء کی آیت کے اختتامی کلمات ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾﴾ مختصر ہیں بمقابلہ سورۃ المائدۃ کی آیت کے آخری حصہ کے' جہاں فرمایا: ﴿مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۶﴾﴾ یعنی ایجاز کے مقابلے میں ایجاز اور اطناب کے مقابلے میں اطناب کو ملحوظ رکھا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اگر پھر یہ کہا جائے کہ کتاب اللہ میں زیادہ تر ایجاز کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور بلاغت کا تقاضا بھی یہی ہے تو پھر سورۃ المائدۃ کی اس آیت میں یہ تفصیل کیا معنی رکھتی ہے؟—— جواباً میں کہوں گا کہ سورۃ المائدۃ کے آغاز ہی سے حرام وحلال کا تذکرہ ہے۔ مطعومات میں کیا حرام ہیں اور کیا حلال ہیں، بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا اور اس تفصیل کا تقاضا تھا کہ آیت کے آخری حصے میں بھی تفصیل کی رعایت رکھی گئی، جبکہ سورۃ النساء کی آیت سے قبل ایسی کوئی تفصیل نہ تھی اس لیے وہاں ایجاز سے کام لیا گیا۔ واللہ اعلم!

(۶۹) آیت ۴۸:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾﴾

''اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ اس کے علاوہ (دوسرے گناہوں) کو معاف کرتا ہے جس کے لیے چاہے، اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے تو وہ ایک بہت بڑا جھوٹ گھڑتا ہے۔''

اور پھر اسی سورت کی آیت ۱۱۶ میں اسی آیت کو دہرایا گیا، لیکن آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾﴾

''اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے تو وہ گمراہی میں بہت دور چلا گیا ہے۔''

سوال واضح ہے کہ دونوں آیات ایک جیسی ہیں لیکن دونوں کا آخری ٹکڑا مختلف ہے تو کیوں؟ جواب یہ ہے کہ پہلی آیت سے قبل اہل کتاب کی تحریفات اور سرکشیوں کا تذکرہ ہے۔ آغاز ہوتا ہے آیت ۴۴ سے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾﴾

''کیا تم نہیں دیکھتے ان لوگوں کو جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا اور وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راستے سے بھٹک جاؤ!''

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ (آیت ۴۶)

''اور جو لوگ یہودی ہوئے، ان میں سے کچھ کلام کو اس کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں۔''

یعنی ان کے جھوٹ اور افتراء کا بیان ہوا۔ اور پھر فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾

اور پھر شرک کے انتہائی ظاہری وصف افتراء کا ذکر مناسب تھا کہ اہلِ کتاب اس صفت کے پوری طرح حامل تھے۔ چنانچہ آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾﴾

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورۃ النساء کی دوسری مماثل آیت سے قبل اہل کتاب کا نہیں بلکہ منافقین کا ذکر ہے۔ آغاز ہوتا ہے آیت ۱۰۵ سے‘ فرمایا:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾﴾

’’ہم نے تمہارے اوپر کتاب اتاری ہے حق کے ساتھ‘ تاکہ تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کر سکو اس (وحی) کی روشنی میں جو اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اور تم خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا نہ کرو۔‘‘

پھر فرمایا:

﴿وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ﴾ (آیت ۱۰۷)

’’اور جو لوگ اپنے نفوس سے خیانت کرتے ہیں‘ ان کی طرف سے حجت بازی نہ کرو۔‘‘

اور مذکورہ آیت سے قبل ایسے لوگوں کے جھگڑالو ہونے کا بھی تذکرہ کیا‘ فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى﴾ (آیت ۱۱۵)

’’اور وہ شخص جو ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول سے جھگڑا کرتا ہے۔‘‘

تو یہاں نہ ان کے جھوٹ کا ذکر ہے نہ افتراء کا‘ بلکہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے کے منافقین کے نفاق کا ذکر ہے‘ کذب وافتراء کا نہیں۔ اس لیے یہاں ’’فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا‘‘ کہنا بالکل مناسب تھا۔ یعنی ہر دو آیات کا آخری ٹکڑا اپنے ماسبق کے عین مطابق ہے‘ اور اگر اس کے اُلٹ ہوتا تو غیر مناسب ہوتا‘ واللہ اعلم!

(۷۰) آیت ۶۱:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾﴾

’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس (بات) کی طرف جو اللہ نے اتاری ہے اور آؤ رسول کی طرف‘ تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے کیسے کتراتے ہیں۔‘‘

اور سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۰۴ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ﴾

’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس (بات) کی طرف جو اللہ نے اتاری ہے اور آؤ رسول کی طرف تو وہ کہتے ہیں: ہمیں وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباء (واجداد) کو پایا ہے۔‘‘

(نوٹ: یہاں مصنف کو شدید سہو ہوا ہے اور وہ ان دونوں آیات میں تقابل اس بنیاد پر کر رہے ہیں کہ سورۃ المائدۃ کی آیت میں صرف ’’مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ‘‘ وارد ہوا ہے ’’اِلَى الرَّسُوْلِ‘‘ نہیں کہا گیا۔ تو ایسا کیوں ہے؟ اس لیے ہم ان کے مزعومہ سوال سے احتراز کرتے ہوئے صرف ان دونوں آیات کی تفسیر پیش کر رہے ہیں جو کہ مصنف کے قلم سے نکلی ہے۔ مترجم)

دونوں آیتوں میں جو لوگ مخاطب ہیں وہ مختلف ہیں۔ پہلی آیت ایک منافق اور ایک یہودی کے بارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ہے جو فیصلے کے لیے کعب بن الاشرف کے پاس آئے تھے اور اس کے فیصلے پر راضی تھے‘ تو یہاں پر مراد منافقین ہیں جو ظاہر تو یہ کر رہے تھے کہ وہ اس وحی پر ایمان لائے ہیں جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر اُتری ہے اور ان سے قبل موسیٰ علیہ السلام پر اُتری ہے‘ اور چونکہ ان کا یہ دعویٰ صرف زبان کی حد تک تھا اس لیے ان کے اس قول کو ’’زَعم‘‘ کہہ کر تعبیر کیا اور کعب بن الاشرف کے پاس جانے کو ’’طاغوت‘‘ کی طرف جانے سے تعبیر کیا۔ چنانچہ ایک آیت قبل ارشاد فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ﴾ (النساء: ٦٠)

’’کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو کچھ تم پر اترا ہے اور جو کچھ تم سے پہلے اترا ہے‘ وہ اس پر ایمان لائے ہیں‘ اور وہ تو فیصلے کے لیے طاغوت کی طرف جانا چاہتے ہیں‘ حالانکہ انہیں تو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کا انکار کر دیں۔‘‘

یہود کو تو اس بات کا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اپنے علماء کو جھٹلائیں الا یہ کہ وہ تحریف کے مرتکب ہوں‘ بلکہ یہ حکم تو اہلِ ایمان کو اس وقت دیا گیا تھا جب ان کی تحریف اور احکامات الٰہی میں تبدیلی واضح ہوگئی تھی۔ اور پھر مذکورہ آیت آتی ہے جس میں کہا گیا کہ جب انہیں اس وحی کی طرف بلایا جاتا ہے جو اللہ نے اتاری ہے اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ بجائے اس کے کہ اللہ کے رسول کی طرف آئیں تاکہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کر سکیں‘ بلکہ ان سے بھاگ کر کعب بن الاشرف یا کسی دوسرے کاہن کی طرف جانا شروع کر دیتے ہیں۔

اور سورۃ المائدۃ کی آیت میں جاہلیت کے وہ لوگ مراد ہیں جو کئی کفریہ باتوں کے مرتکب ہوئے تھے جن میں عمرو بن لُحَیّ کی متابعت میں بتوں کی پوجا شامل تھی اور ان لوگوں کی بھی جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں تحریف اور تبدیلی کی تھی اور اپنی طرف سے بحیرہ‘ سائبہ‘ وصیلہ اور حام کی حرمت گھڑ لی تھی۔

اب ذرا ان خودساختہ محرمات کا بیان ہو جائے۔

بَحِيرة اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جس نے دس بچے جنے ہوں‘ علامت کے طور پر اس کے کان کی لمبائی میں سوراخ کر دیا جاتا تھا‘ اُسے کھانے پینے اور چرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا تھا اور اُس کی کسی چیز سے نفع نہ اٹھایا جاتا تھا۔ مرنے پر صرف مرد اس کو کھا سکتے تھے‘ عورتوں پر اس کا کھانا حرام تھا۔

سَائِبة اُس اونٹنی کو کہتے تھے جو اوپر تلے بارہ مادہ اونٹنیاں پیدا کر چکی ہوتی تھی کہ جن میں کوئی نر نہ ہو‘ ایسی اونٹنی کو دیوتاؤں کے لیے خاص کر دیا جاتا تھا۔

وَصِيلة اُس بھیڑ کو کہتے تھے کہ جس نے تین یا پانچ مرتبہ بچے پیدا کیے ہوں‘ اور اگر آخری بچہ نر ہو تو اسے دیوتاؤں کے نام ذبح کر دیا جاتا۔ لیکن اگر آخری ولادت میں نر کے ساتھ مادہ بھی ہو تو پھر اسے ذبح نہ کیا جاتا‘ بلکہ کہا جاتا کہ اس مادہ نے اپنے بھائی کو ذبح ہونے سے بچا لیا ہے‘ اور وصیلہ اس معنی میں کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر آئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حام اُس اونٹ کو کہا جاتا تھا جس نے دس اونٹنیوں کو بارآور کیا ہو‘ یا اس کی پشت سے دس بچے پیدا ہوئے ہوں‘ ایسا اونٹ بھی کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ حام یا حامی اس لیے کہا گیا کہ گویا اس نے اپنی پشت کو باربرداری سے بچا لیا۔

اور پھر ان لوگوں کے لیے کہا گیا کہ وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل سے عاری ہیں۔ اور پھر جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ اس (وحی) کی طرف جو اللہ نے اتاری ہے اور رسول کی طرف تو پھر وہ کہتے ہیں کہ ہمیں وہ کچھ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباء واَجداد کو پایا۔ (کیا وہ ان کی پیروی کرتے رہیں گے؟) چاہے ان کے آباء واَجداد نہ کچھ جانتے ہوں اور نہ ہی ہدایت یافتہ ہوں۔

(۱۷) آیت ۸۷:

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾﴾ ’’اور اللہ سے بڑھ کر سچ بات کہنے والا کون ہوگا!‘‘

اور پھر آیت ۱۲۲ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾﴾ ’’اور اللہ سے بڑھ کر سچ قول کہنے والا کون ہوگا!‘‘

’’اور اللہ سے بڑھ کر سچ قول کہنے والا کون ہوگا۔‘‘

سوال کرنے والا یہ سوال کر سکتا ہے کہ دونوں آیتوں کے آخری لفظ میں اختلاف پایا گیا ہے جبکہ دونوں آیتیں آخرت کے امور کے بارے میں ہیں۔ پہلی آیت سے قبل یہ الفاظ ہیں:

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ﴾

’’اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہ یقیناً تمہیں قیامت کے دن اکٹھا کرے گا‘ اس میں کوئی شک نہیں۔‘‘

اور دوسری آیت کے شروع میں ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ﴾

’’اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے‘ ہم انہیں ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی‘ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے‘ اور یہ اللہ کا وعدہ حق ہے۔‘‘

اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری آیت کے لفظ ’’قِيْلًا‘‘ کا ربط اس سے پہلی والی آیت سے ہے جہاں کہا گیا: ﴿وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا﴾ اور پھر کہا: ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ —— گویا ’’قِيْلًا‘‘ کا لفظ ’’وَعْدًا‘‘ کے معنوں میں ہے‘ یعنی اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے میں اور کون سچا ہوگا؟ وہ وعدے جو جنت کی نعمتوں اور عظیم احسانات سے متعلق ہیں۔ یہاں دیکھئے کہ ’’قِيْلًا‘‘ کا لفظ ’’وَعْدًا‘‘ اور ’’حَقًّا‘‘ کے وزن پر ہے اور جس طرح ان دونوں کلمات میں بیچ کا حرف ساکن ہے۔ اسی طرح ’’قِيْلًا‘‘ بھی بیچ میں ساکن حرف رکھتا ہے۔ اس کے حروف بھی اتنے ہی ہیں جتنے وَعْد اور حَقّ کے ہیں۔ گویا مصدر کا تکرار ہے‘ لیکن عربی اسلوب کے مطابق اسی مصدر کا نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ اس سے ملتا جلتا کلمہ لایا گیا ہے جو معنی کے اعتبار سے بھی مشابہت رکھتا ہے۔ گویا یہ تینوں مصادر ہم وزن ہیں‘ زبان پر خفیف ہیں‘ ثقیل نہیں‘ اور تینوں کا ساتھ ساتھ آنا بڑا اہم آہنگ دکھائی دیتا ہے۔

اور جہاں تک پہلی آیت کا تعلق ہے تو وہاں ایسی کوئی مناسبت نہیں پائی جاتی‘ ﴿لَیَجۡمَعَنَّکُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ﴾ کہہ کر مستقبل کی خبر دی جا رہی ہے کہ موت کے بعد اٹھایا جائے گا‘ تمام مخلوقات کو اکٹھا کیا جائے گا تاکہ انہیں ان کے اچھے برے کاموں کا بدلہ دیا جائے۔

یہاں صرف ایک خبر دی جا رہی ہے‘ جیسے سورۃ سبا میں کفار کا قول نقل کیا گیا ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ہَلۡ نَدُلُّکُمۡ عَلٰی رَجُلٍ یُّنَبِّئُکُمۡ اِذَا مُزِّقۡتُمۡ کُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّکُمۡ لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ﴿۷﴾﴾

’’اور جنہوں نے کفر کیا تھا انہوں نے کہا: ہم تمہیں ایسے آدمی کے بارے میں بتائیں جو یہ کہتا ہے کہ جب تم ہر طرح سے پھاڑ دیے جاؤ گے تو پھر (ایک دن) نئی خلقت دیے جاؤ گے!‘‘

یہاں بھی صرف خبر ہے۔ اس لیے سورۃ النساء کی پہلی آیت میں ’’حَدِیۡثًا‘‘ کا آنا مناسب تھا۔ واللہ اعلم!

(۷۲) آیت ۱۱۵:

﴿وَمَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الۡہُدٰی وَیَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۱۱۵﴾﴾

’’اور جو شخص رسول سے جھگڑا کرتا ہے ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد اور مؤمنین کے راستے کے علاوہ کوئی (راستہ) اختیار کرتا ہے تو جتنا پیچھے وہ جانا چاہتا ہے ہم اتنا پیچھے اسے کر دیتے ہیں اور جہنم تک پہنچا دیتے ہیں‘ اور یہ بدترین انجام ہے۔‘‘

سورۃ الانفال کی آیت ۱۳ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنۡ یُّشَاقِقِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۱۳﴾﴾

’’اور جو اللہ اور اُس کے رسول سے جھگڑا کرتا ہے تو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔‘‘

اور سورۃ الحشر کی آیت ۴ میں ارشاد فرمایا:

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ شَآقُّوا اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ ۚ وَمَنۡ یُّشَآقِّ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۴﴾﴾

’’اور یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جھگڑا کیا تھا۔ اور جو اللہ سے جھگڑا کرتا ہے تو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔‘‘

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ادغام (دو حرفوں کو ملا کر ایک مشدد حرف بنانا) اور فک (دونوں حرفوں کو جدا جدا رہنے دینا) دونوں فصاحت سے خالی نہیں ہیں تو سورۃ الحشر میں لفظ ’’شَآقُّوا‘‘ اور ’’یُشَآقِّ‘‘ ادغام کے ساتھ آیا ہے جبکہ پہلی دو سورتوں میں جدا جدا بیان ہوا ہے‘ یعنی ’’یُشَاقِقِ‘‘ کہا گیا‘ تو ایسا کیوں ہے؟ —— جواب اس کا یہ ہے کہ ادغام اصل نہیں ہے بلکہ بطور تخفیف لایا جاتا ہے‘ اس لیے سورۃ النساء میں اصل کے مطابق ہے یعنی دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حرفوں کو جدا جدا لایا گیا اور وہاں ایسا کوئی سبب نہ تھا کہ جس کی وجہ سے وہاں تخفیف کے طور پر اس لفظ کو ادغام کے ساتھ لایا جاتا' جبکہ سورۃ الحشر میں پہلے یہی لفظ ماضی کے صیغہ کے ساتھ بطور ادغام لایا گیا تھا۔ فرمایا:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ﴾

اور ماضی کے صیغہ میں یہ لفظ بغیر ادغام کے نہیں سنا گیا' تو اس مناسبت سے اگلی آیت میں بھی ادغام کے ساتھ ہی اس لفظ کو لایا گیا' فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ﴾ (آیت۴)

(نوٹ: یہاں پر ایک لغوی بحث ہے جسے صرف اہل لغت سمجھ سکتے ہیں' اس لیے اسے چھوڑ دیا گیا ہے۔)

(۴۳) آیت ۱۲۸:

﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۱۲۸﴾

''اور اگر ایک عورت اپنے شوہر سے سختی یا بے رخی کا اندیشہ رکھتی ہو تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ دونوں اپنے مابین صلح صفائی کا راستہ اختیار کر لیں' اور صلح کرنا بہتر ہے' اور نفوس میں طمع پایا جاتا ہے۔ اور اگر تم اچھا طرزِ عمل اختیار کرو اور تقویٰ کو اپناؤ تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی باخبر ہے۔''

اور اس سے اگلی آیت میں فرمایا:

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۲۹﴾

''اور تم اپنی خواہش کے باوجود عورتوں میں کبھی عدل نہ کر پاؤ گے' اس لیے تم (ایک عورت کی طرف) پوری طرح نہ جھک جاؤ کہ اُس (دوسری عورت) کو لٹکتی ہوئی چھوڑ دو۔ اور اگر تم صلح صفائی کر لو اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔''

یہاں دو سوال اٹھتے ہیں کہ پہلی آیت میں ﴿وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا﴾ کہا جبکہ دوسری آیت میں ﴿وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا﴾ کہا گیا۔ اور یہ کہ پہلی آیت کا اختتام ''خَبِيْرًا'' پر ہو رہا ہے اور دوسری آیت کا ''غَفُوْرًا رَّحِيْمًا'' پر' تو اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے' واللہ اعلم' کہ پہلی آیت کا تعلق عورت اور اس کے شوہر کے مابین تعلقات سے ہے۔ اگر عورت کو اندیشہ ہو کہ وہ اسے چھوڑ دے گا اور وہ خود چاہتی ہو کہ اس کے ساتھ اُلفت اور محبت کے ساتھ رہے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اگر وہ اپنا کچھ حق چھوڑ دیتی ہے' یعنی اپنی سوکن کو اپنی باری دے دے یا اپنے حظِ نفس کو چھوڑ دے' جیسے اُمّ المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا' تو اُسے ایسا کرنے پر کوئی گناہ نہ ہوگا اور مرد کو یہ بات قبول کرنے پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اگرچہ نفسِ انسانی کی خصلت میں بخل پایا جاتا ہے اور کوئی بھی اپنے حق کو بالکل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھوڑ دینے یا اس میں کمی کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا ہے۔ اور اسی بات کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں:

﴿وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ؕ﴾ ''اور نفوس میں طمع پایا جاتا ہے۔''

اور اس کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا﴾ ''اور اگر تم اچھا سلوک کرو اور تقویٰ اختیار کرو''

یہاں میاں بیوی دونوں کو حسنِ سلوک اور تقویٰ کی طرف بلایا گیا ہے' گو شوہر کے لیے ان دونوں باتوں کا اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے' اور پھر تقویٰ اور احسان کا تقاضا ہے کہ دونوں صبر کریں' ایک دوسرے کا لحاظ کریں اور خوب جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے چھپے ڈھکے تمام معاملات کو بخوبی جانتا ہے۔

اور دوسری آیت میں فرمایا:

﴿وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ﴾

''اور اگر تم چاہو بھی تو عورتوں کے درمیان پورا پورا انصاف ہرگز نہیں کر سکتے۔''

اس لیے کہ وہ دلوں کے مالک نہیں ہیں اور نہ ہی انسان کے بس میں ہے کہ دل کو پاک صاف رکھے یا بگاڑ دے' اور اگر بالفرض وہ بات چیت' حسنِ ملاقات' مسکراتے چہرے' الفت کی نظر اور باری کے پورا کرنے میں عدل قائم کر بھی سکے' تب بھی دلی میلان میں تمام بیویوں کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ نہیں کر سکتا' اس لیے فرمادیا:

﴿فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ﴾ ''پس پوری طرح ایک طرف جھکاؤ نہ رکھو۔''

بلکہ اپنی سی کوشش میں لگا رہے کہ برابری کا سلوک ہوتا رہے۔ نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''اے اللہ! یہ وہ تقسیم ہے جو میرے ہاتھ میں ہے اور اے اللہ! جو میرے ہاتھ میں نہیں' اس پر مجھے ملامت نہ کر!!'' اور اسی لیے فرمایا:

﴿فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ ؕ﴾ ''تو پھر تم اسے لٹکا کے رکھو۔''

یعنی نہ تو ڈھنگ سے رکھو اور نہ ہی طلاق دو۔ پھر ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَتَتَّقُوۡا﴾ ''اور اگر تم اصلاح کر سکو اور تقویٰ اختیار کر سکو۔''

مراد یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اصلاحِ احوال کی کوشش میں لگے رہو' اور پھر جو بھی ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرنے والا ہے۔

پہلی آیت کے مضمون کا تقاضا تھا کہ اس کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے تمام اعمالِ ظاہرہ اور باطنہ پر باخبر ہونے کا تذکرہ کیا جائے اور دوسری آیت میں دل کے میلان میں پوری طرح عدل نہ ہو پانے کا تقاضا تھا کہ اللہ کی مغفرت کا ذکر کیا جائے' کیونکہ اگر اس بات پر اللہ تعالیٰ سزا دینے پر آئیں تو ایسا انسان تو پھر مارا گیا' اور یوں پہلی آیت کے آخر سے قبل حسنِ سلوک کا اور دوسری آیت میں اصلاحِ احوال کا تذکرہ بالکل مناسب تھا' واللہ اعلم!

❁❁❁

© rasailojaraid.com